AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

احمد ندیم قاسمی کے قطعات کی بو قلمونی

THE POETICS OF AHMED NADEEM QASMI'S QITAAT

Dr. Sadaf Fatima
Assistant Professor Urdu Department, University of Karachi
Dr. Saira Irshad
Assistant Professor Urdu Department, Government Sadiq College Women University Bahawalpur
Dr. Muhammad Khalid Latif Sahil
Assistant Professor Urdu Department, Lahore Leads University Lahore

Abstract

Ahmed Nadeem Qasmi preferred love, beauty, natural landscapes, rural nature, the cruelty and reality of rural society, man and his actions, efforts and humanity, etc. as topics in his poetry. Like other poets, Nadeem started his poetic life with romantic poetry. Along with this, at the beginning of his poetic life, he made beauty, love, and the nature of life the themes of his poetry; which is visible in the poems of his poetry collection "Rim Jhim". In these poems, he combined poetry and fiction and laid the foundation of a new milestone. Along with this, the color of a particular region is seen in these poems, which is Nadeem's birthplace, Punjab. These poems are a mirror of Nadeem's poetic personality.

Qasmi presented these topics in more depth and detail in his next poetry collection "Jalal-o-Jamal". In the same book, in addition to the above subjects, he presented the daily life of the village. In his poetry collection "Dasht-e-Wafa", he gave importance to humanity and human effort as a theme. Similarly, he has called for creating a beautiful world through his poetry by highlighting reality and humanity. In this article, I have tried to examine these themes of Ahmed Nadeem Qasmi's poetry in depth so that the readers can easily understand the objectives of his Qitaat.

Key Words
Ahmed Nadeem Qasmi, Qitaat, love, beauty, natural landscapes, rural nature, the cruelty, reality, rural society, man and his actions, efforts, humanity, "Rim Jhim", "Jalal-o-Jamal", "Dasht-e-Wafa".

"قطعہ" اردو اصناف میں ایک منفرد صنفِ شاعری ہے۔ قطعہ مطلع کی قید سے آزاد اور اشعار کی پابندی سے مبرا ہوتا ہے۔ قطعہ کا ہر دوسرا مصرع قافیہ وردیف سے مزین ہوتا ہے۔ اس طرح قطعہ کم از کم دو شعروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ قطعہ میں مجاز کے بجائے حقیقت نگاری کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ قطع کی

جمع قطعات ہے۔ مضمون مذکورہ میں ہم احمد ندیم قاسمی کے قطعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ لیکن پہلے ان کے ایک مشہور و معروف شعر کا ذکر ضرور کریں گے جس نے اُن کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا۔ وہ مشہور و معروف شعر یوں ہے:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا

میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

اس شعر میں زندگی کی جو حقیقت ہے، بیان کی گئی ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے لیکن روئے زمین کے 80 فی صد لوگ یہ بات نہیں مانتے۔

احمد ندیم قاسمی اردو شاعری میں قطعہ نگاری کے اولین شعرا میں گنے جانے کے اہل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس صنف کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی توانائی بخشی۔ انھوں نے قطعات میں اپنے شخصی خصائل سموئے اور اس طرح اپنی شخصیت کا مظہر بنایا۔ انھوں نے قطعے کو وہ مقام و مرتبہ دیا جو آج تک اس کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے قطعے کے چار مصرعوں کو ایک ایسا شعری آہنگ دیا جو اس سے پہلے اس کا مقدر نہیں تھا۔ کیوں کہ اس سے پہلے قطعے کی روایت بے ترتیب اور بکھری پڑی تھی۔ اگر چہ دلی اور لکھنؤ میں اس حوالے سے زیادہ سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی۔ ان اصحاب کے دواوین میں بس تبرک کے طور پر قطعے لکھنے کا رواج تھا اور عموماً یہ رباعی کے ضمیمے کے طور پر شامل کیا جاتا تھا۔

قطعات میں اخلاق و موعظمت، تصوف و روایت اور فلسفہ و حکمت کو ہی موضوع بنایا جاتا رہا۔ اکبر الہ آبادی کے قطعات تو مشہور ہیں لیکن ان کا انداز طنزیہ اور مزاحیہ ہے اس لیے وہ قطعات میں وہ ندرت پیدا نہ کر سکے جو ہونی چاہیے تھی۔ ان کے ہاں فارسی قطعات کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ بعد میں جوش اور فراق کے ہاں یہ روایت زندہ صورت میں نظر آتی ہے۔ اختر انصاری بھی گو کہ احمد ندیم قاسمی کے ہم عصر ہیں لیکن انھوں نے اپنے مجموعۂ کلام "آبگینے" میں قطعات شامل کیے ہیں جو بہترین اور منفرد ہیں۔ انھوں نے خصوصی اہتمام کے ساتھ قطعات لکھے۔ احمد ندیم قاسمی چوں کہ ایک منفرد افسانہ نگار بھی رہے ہیں اس لیے ان کے ہاں افسانہ کا انداز بھی قطعہ کو ایک نئی جہت عطا کرتا ہے۔ شاعرانہ اور افسانوی انداز نے ان کے قطعات کو ایک آہنگ دیا۔ وہ اپنے گرد و پیش سے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی شکل میں موضوعات چنتا ہے اور پھر قطعات کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیتا ہے۔ ان کے تجربات میں ایک طرح کا تنوع اور رنگا رنگی ہے جو ہر طبقے کی آواز بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی آواز میں ایک فنی بصیرت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر محبت کے ہی موضوع پر لکھتے ہیں۔ ندیم کے ہاں محبت ہی سب سے بڑا اور پرزور موضوع ہے۔ وہ اس محبت کو جسمانی روپ کے بجائے روحانی روپ اور جذبوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ان کے شعری مجموعے "دھڑکنیں" سے ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

خوش راتوں میں جو دھڑکنیں بکھری رہیں
میں ان کو ایک لڑی میں پرو کے لایا ہوں
تو ان کو صرف اچٹتی ہوئی نظر سے نہ دیکھ
کہ میں ستاروں سے اڑ کر زمیں پہ آیا ہوں (۱)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جب کہ اختر انصاری کے ہاں بھی یہی جذبات اس طرح بیان ہوئے ہیں:

میرا طرزِ سخن نرالا ہے
میں نے نالوں کو نے میں ڈھالا ہے
میرا مجموعہ کلام اختر
خون کے آنسوؤں کی مالا ہے (۲)

اوپر کے دونوں قطعوں کو دیکھیں تو فرق صاف نظر آتا ہے کہ اختر کے ہاں یہی غم پایا جاتا ہے مگر وہ اس کو آفاقی نہ بنا سکے۔ اگر چہ ان کے سادگی اور سلاست زیادہ ہے۔ لیکن ان کے ہاں ہجر و وصال، غم و نشاط اور ناکامی و نامرادی کے جذبات بیان کرنے میں وہ رفعت اور پاکیزگی شاید نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں ندیم کے ہاں اس کے قطعات میں بیان کیے گئے مضامین کی جڑیں ملکی روایات، مقامی آب و رنگ اور حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہیں۔ "دھڑکنیں" ان کے ابتدائی کلام کا حصہ ہے اور یہ چوں کہ ان کی شاعری کا نقش اول تھا اس لیے یہ رکنے والے دور کے بہترین مستقبل کا عکاس تھا۔ ندیم کی ابتدائی شاعری پر رومانیت کے اثرات پائے جاتے ہیں مگر بعد میں وہ حقائق کی تند و تیز آندھیوں سے نبرد آزما رہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ترقی پسند تحریک کے باقاعدہ ممبر رہے اور یہ رفاقت آخر تک نبھائی۔ اگر چہ انھوں نے ایک متوازن راستے کا انتخاب کیا اور ان کے ہاں ترقی پسندوں جیسے نعرے والا ماحول نہیں رہا نہ انھوں نے اس اس طرح کی تند و تیز تحریریں لکھیں۔ ندیم نے صبوحی کی یاد میں بہت سے قطعات لکھے۔ صبوحی کی ٹریجڈی یہ ہے کہ وہ خود معاشرے کے اندر جذب ہوگئی اور شاعر کو زندگی کے جہنم کے سپرد کر گئی۔ ندیم اپنے رومانی آدرش چھن جانے پر یوں گویا ہیں:

بجلیاں کڑکیں، آندھیاں آئیں
چاند تارے کے پاس رہتا ہے
وہ مجھے چھوڑ کے سدھار گئے
کون کہتا ہے کون کہتا ہے (۳)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صبوحی کے اوپر یہ ظلم ہوا کہ وہ موت سے ہم آغوش ہوگئی تو ندیم پر ظلم مزید تاریکیاں لایا۔ وہ یہ غم یوں گاتا ہے:

جسے ہر شعر پہ دیتے تھے تم داد،
وہی رنگین نوا خونیں نوا ہے،
اب ان رنگوں کے نیچے دھیرے دھیرے
لہو کا ایک دریا بہہ رہا ہے (۴)

اردو شاعری کی یہ بد قسمتی رہی کہ یہ ابتدا سے ہی مقامی رنگ سے دور رہی ہے۔ اگرچہ نظیر اکبر آبادی سے لے کر موجود دور تک چند ہی شعرا نے کوشش کی لیکن ان کے کلام کو سوقیانہ اور نہ جانے کیا کیا کہہ کر رد کیا گیا۔ ندیم کا یہ کمال ہے کہ وہ شروع سے ہی اپنے مقامی رنگ سے جڑا رہا۔ ان کے ہاں دیہاتی اور بچپن و لڑکپن کی مضبوط تصویر ہی اپنا رنگ دکھاتی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ کہانیوں نے قطعہ جیسی چھوٹی صنف میں بھی اپنے مزاج کے مطابق اپنے گردو پیش اور ماحول سے چن چن کر بڑے بڑے موضوعات لیے۔ اگرچہ ان کے ہاں مقامی رنگ کی وجہ سے وہ معنویت اور اسلوب کی چاشنی کم ہے لیکن اس کے باوجود تشبیہات و استعارات کے استعمال میں بڑے محتاط ہیں۔ ان کے ہاں مقامی الفاظ کے تقاضوں کے مطابق الفاظ کا استعمال بڑے فن کارانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں بھیڑیں، نیم، ساون، ندی، ملاح، بوندیں، بادل، چڑیا، چرواہے، کونجیں، گھاٹیاں، کنکر، کھنڈر، پنگھٹ، گاگریں، میلہ، کجاوہ، جھولا، ملہار، عید، مرغے، مرغیاں، گائیں، بیری، گنگا، سبز کھیت، دریا کا کنارہ، پہاڑی راہ، خشک ٹہنیاں، چکی کی صدا، مڑتی راہیں، گیہوں کی بالیاں، چیت کی چاندنی راتیں، سرسوں کے پھول، چھاج، پٹھانہ جیسی تراکیب ان کے مقامی الفاظ سے اخذ شدہ ہیں۔ ان سے ندیم کی سادگی اور سہل پسندی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اپنی مٹی سے ندیم کی محبت انھیں اپنی فطری آغوش میں لے جا کر سبزہ زاروں، وادیوں اور پگڈنڈیوں کی خوب صورتیوں میں گم طفل کی طرف حیران کر دیتی ہے۔ جس سے وہ کبھی تو اپنی رومان پسند طبیعت کی وجہ سے تڑپ جاتے ہیں جب کہ بعض دفعہ پر سکون ندی کی طرح بہاؤ کا رخ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:

ادھر آؤ نہائیں جھیل کے شفاف پانی میں
چلو لہروں میں چھپ کر مست نغمے گنگنائیں ہم
ادھر آؤ بلاتی ہیں یہ بل کھاتی ہوئی راہیں
چلو پربت کی چوٹی سے ستارے توڑ لائیں ہم (۵)

ندیم اس ارضیت سے اپنے قطعات میں حب الوطنی، انقلابی ہل چل اور طبقاتی کش مکش کے میدانوں میں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ ترقی پسندوں کے میدان میں چھلانگ لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ مذہب کے معاملات میں درمیانی راستہ پر چلنے والے ہیں۔ وہ کٹ ملائیت کے خلاف ہیں۔ اس حوالے سے ایک طنزیہ قطعہ میں کہتے ہیں:

انسان کو سیدھی راہ پہ لانے کے واسطے
انسانیت کا خون لیے جا رہا ہے تو
یوں سجدے کر رہا ہے رعونت سے دم بدم

جیسے کسی کو بھیک دیئے جا رہا ہے تو (۶)

ندیم کو طبقاتی فرق سے بھی بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بلندی اور نشیبی کے شکوے پر خاموش نہیں رہتا۔ بعض دفعہ وہ اس استحصال کے خلاف بغاوت پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ کسانوں اور مزدوروں کی آواز بن کر زمین داروں کی عیش پسندی، عیاشی اور استحصالی رویے کے خلاف طوفان بن جانے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ہے رقص طوائف کا زمین دار کے گھر پر
ہر دیس سے آئے ہیں کئی یار پرانے،
وہ چند غریبوں کو گریباں سے پکڑ کر
بھیجا ہے زمین دار نے بیگار پر تھانے (۷)

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

محتاج کسی کا بھی نہیں میری جوانی
مزدور ہوں کھاتا ہوں پسینے کی کمائی
اے ریشم و کمخواب میں لپٹے ہوئے کوڑھی
کیوں تو نے مجھے دیکھ کے یوں ناک چڑھائی (۸)

ندیم سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہیں۔ کیوں کہ اس میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ کسان کھیتوں میں دن رات اپنا خون پسینہ ایک کر کے سونا اُگاتا ہے اور جب وہ زمین دار کے گھر پہنچ جاتا ہے تو ایسے غائب ہو جاتا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ یہ ظلم کی انتہا ہے کہ جو محنت کر رہا ہے وہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہے اور جو آرام سے حرام کھا رہا ہے وہ عیش کر رہا ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں ندیم کو رلاتی ہیں۔ اس وجہ سے مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ کسان اپنی تمام توانائیاں استعمال میں لا کر بھی دو وقت کی روٹی کمانے سے قاصر ہے جب کہ سرمایہ دار اپنے کارخانوں اور فیکٹریوں میں ان کا استعمال کر کے ان کا مزید استحصال کر رہے ہیں۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بلک رہی ہے دمام دم مشین آتے کی
گرج رہا ہے وہ پٹڑی پہ وہ شعلہ بار انجن
وہ تنگ باڑوں پہ بھڑیں پکارتی ہیں مجھے
کہ آج پیٹ کے کہنے یہ تج رہا ہوں وطن (۹)

"دھڑکنیں" کے قطعات میں ندیم کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ان کے تجربات کا مکمل نقشہ پڑا ہوا ہے۔ ان کے تجربات اور مشاہدات ادھورے نہیں ہیں۔ ان کے تجربات میں کشادگی اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور ان کے تجربات اور مشاہدت ادھورے ہوتے تو وہ کبھی بھی ان کے ہاں قطعے کے کلاسیکی رنگوں کی رنگارنگی اور بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس میدان میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

باجرے کی فصل سے چڑیاں اڑانے کے لیے
ایک دو شیزہ کھڑی ہے کیکروں کے ڈھیر پر
وہ جھکی، وہ ایک پتھر سنسنا کر گر گیا
کٹ گئے ہیں اس کے جھٹکے سے میرے قلب و جگر (۱۰)

کل گاؤں سے کچھ دور اک افسردہ گڈریا
ایک پیڑ کی شاخوں کو کھڑا چوم رہا تھا
میں بولا یہ کیا کھیل ہے کہنے لگا ہنس کر
کچھ بوجھ سا تھا جی پہ یونہی گھوم رہا تھا (۱۱)

ندیم کے قطعات میں افسانوں جیسی ڈرامائیت، تمثیل نگاری اور مصوری بھی ملتی ہے۔ ان کے ہاں حرکت و عمل کی فراوانی ہے۔ یوں ان کے ہاں مکالمہ نگاری، کش مکش، ارتقاء، نقطۂ عروج اور اختتام جیسے ڈراما کے لوازمات بھی دکھائی دیتے ہیں جو ان کے فن کو مزید خوب صورتی اور پائے داری عطا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ان اسلوب اتنا شگفتہ اور سلسیس بن جاتا ہے کہ قاری ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تجھ سے کس کو جگہ ہے میرے رفیق
مدتوں سے ہے یہ جہاں کا طریق

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فاش کر کے فریبِ زندیقی
بن گیا ہوں میں کافر و زندیق (۱۲)

ان کے اسلوب میں خطیبانہ اسلوب بھی ملتا ہے:

غلاموں کا ادب، استغفر اللہ
اسے لِلّٰہ نذر گنگ کر دو
نئے نغمے نئی تانوں پہ گاؤ
پرانی بدعتوں سے جنگ کر دو (۱۳)

ندیم کے ہاں ان کے بعض قطعات میں نسائی لب ولہجہ کی مٹھاس اور دردمندی بھی ملتی ہے۔ جو ان کے اسلوب کو مزید نکھارتی ہے۔

کل صبح کو سبز کھیتوں پر
اک گیت تھرکتا جا رہا تھا
میں جھینپ گئی مرا سپاہی
پردیس سے گاؤں آ رہا تھا (۱۴)

ان کے قطعات میں بعض اوقات طنز و مزاح کے چھینٹے بھی ملتے ہیں۔ ان کا مزاح اچھوتا اور منفرد اس وجہ سے بھی ہے کہ کیوں کہ وہ خود ایک سنجیدہ مزاج مصنف تھے۔ اس وجہ سے ان کے ہاں مزاج میں بھی سنجیدگی کی لہریں ہلکوریں کھاتی ہیں:

کل مجھے اک پنگھٹ پہ اک بڑھیا نے ہولے سے کہا
رنگ کیوں پیلا ہے تیرا ست کیوں ہے تیری چال
وہ صبوحی گاگریں بھر کر کھڑی ہے دم بخود
گاگر اس کے سر پر رکھ کر گھونگھٹ ذراسا کھینچ ڈال (۱۵)

ندیم کے ہاں رمزیت اور اشاریت کے ذریعے بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے آگاہی کا احساس ملتا ہے۔ ان کے ہاں کبھی آنچل کا اشارہ وصل کی طرف جاتا ہے اور کہیں افق کے دھندلے کنارے کی جانب۔ ایک مثال:

وہ پو پھٹی وہ سمندر میں چاند ڈوب گیا
جھلک رہے ہیں وہ مسجد کے مرمریں مینار
وہ گرم حجرے میں زاہد اٹھا وضو کے لیے
وہ اک کھنڈر میں تڑپنے لگا ہے اک بیمار (۱۲)

الغرض ندیم کے ہاں ہر قسم کے استعارے اور کنایے اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ ان استعارات کو ندیم نے مضامین سے ہم آہنگ کر کے معنوی مفاہیم دے دیئے ہیں۔ "دھڑکنیں" کے تمام قطعات سے ہمیں ندیم کی فن کارانہ اپج اور قابلیت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی، دھڑکنیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹
۲۔ اختر انصاری، آئینے، بحوالہ ندیم کی شاعری، از جمیل ملک، نوید پبلشرز، راولپنڈی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۹
۳۔ احمد ندیم قاسمی، سب جھوٹ، مشمولہ، دھڑکنیں، ص ۳۳
۴۔ احمد ندیم قاسمی، تمہارا، ندیم، ص ۳۹
۵۔ احمد ندیم قاسمی، دعوت، ص ۵۴
۶۔ احمد ندیم قاسمی، سجدوں کی بھیک، ص ۷۹
۷۔ احمد ندیم قاسمی، محرم عیش، ص ۱۰۲
۸۔ احمد ندیم قاسمی، مزدور کی جوانی، ص ۱۰۳
۹۔ احمد ندیم قاسمی، پیٹ، پیٹ، ص ۱۲۰
۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، خوش لچک، ص ۱۵۰
۱۱۔ احمد ندیم قاسمی، ایک کھیل، ص ۱۶۱

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، در گزر، ص ۲۰۵

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی، ادب غلاماں، ص ۱۳۰

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، وقت کی واپسی، ص ۱۳۹

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، ناصح مشفق، ص ۱۷۳

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، تقابل، ص ۲۴۵